

امامت آیہء مباہلہ کی روشنی میں

<"xml encoding="UTF-8?">

نجران کے عیسائی اوران کا باطل دعویٰ (آل عمران/۶۱)

”پیغمبر! (علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) کٹ جتنی کریں، ان سے کہ دیجئے کہ چلو ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو دعوت دیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں“

آیہ شریفہ میں گفتگو نجران کے عیسائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا جانتے تھے اوران کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے خدا ہونے کی دلیل تصور کرتے تھے۔ اس سے پہلی والی آیت میں ایابے:

(آل عمران/۵۹)

”بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا کہ بوجاؤ تو وہ خلق ہو گئے۔“

مذکورہ آیت ان کے دعوے کو باطل کرتی ہے۔ یعنی اگر تم لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے میں بغیر باپ کے پیدا ہونے کے سبب ان کے خدا ہونے کے قائل ہو تو حضرت آدم علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں، اس لئے وہ زیادہ حقدار و سزاوار ہیں کہ تم لوگ ان کی خدائی کے معتقد ہو جاؤ۔ اس قطعی برہان کے باوجود انہوں نے حق کو قبول کر نے سے انکار کیا اور اپنے اعتقاد پر ڈٹے رہے۔ بعد والی آیت میں خدائے متعال نے پیغمبر اکرم (ص) سے مخاطب کر کے حکم دیا کہ انہیں مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔

اگرچہ اس آیت (آیہء مباہلہ) کے بارے میں بہت سی بحث ہیں، لیکن جو بات یہاں پر قابل توجہ ہے، وہ اہل بیت علیہم السلام، خاص کر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں چند نکات ہیں، جو آنحضرت (ص) کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے تھے۔

مذکورہ آیہ شریفہ اور اس سے مربوط احادیث کی روشنی میں ہونے والی بحثیں مندرجہ ذیل پانچ محور پر استوار ہے:

۱۔ پیغمبر اکرم (ص) ماؤں مرتھے کہ مباہلہ کے لئے کن لوگوں کو اپنے ساتھ لائیں؟

۲۔ ان کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد کیا تھا؟

۳۔ آیہ شریفہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آنحضرت (ص) کن افراد کو اپنے ساتھ لائے؟

۴۔ آیہء مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا مقام اور یہ کہ آیہ شریفہ میں حضرت علی علیہ السلام کو نفیس پیغمبر (ص) کہا گیا ہے نیز اس سے مربوط حدیثیں۔

۵۔ ان سوالات کا جواب کہ مذکورہ آیت کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں۔

آیہ مباہلہ میں پیغمبر (ص) کے ہمراہ پہلی بحث یہ کہ پیغمبر اسلام (ص) کو مباہلہ کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کن افراد کو دعوت دینی چاہئے تھی، اس سلسلہ میں آیہ شریفہ میں غور و خوض کے پیش نظر درج ذیل چند مسائل ضروری دکھائی دیتے ہیں:

الف: ”ابنائنا“ اور ”نسائنا“ سے مراد کون لوگ ہیں؟

ب: ”انفسنا“ کا مقصود کون ہے؟

ابناء ابن کا جمع ہے یعنی بیٹے، اور چونکہ ”ابناء کی“ ضمیر متکلم مع الغیر یعنی ”نا“ کی طرف نسبت دی گئی ہے ا اور اس سے مراد خود آنحضرت (ص) ہیں، اس لئے آنحضرت (ص) کو کم از کم تین افراد، جو ان کے بیٹے شمار ہوں، کو مباہلہ کے لئے اپنے ہمراہ لانا چاہئے۔

”نساء“ اسم جمع ہے عورتوں کے معنی میں اور ضمیر متکلم مع الغیر یعنی ”نا“ کی طرف اضافت دی گئی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت (ص) اپنے گھرانے میں موجود تمام عورتوں (چنانچہ جمع مضاف کی دلالت عموم پر ہوتی ہے) یا کم از کم تین عورتوں کو جو کم سے

۱۔ اس آیہ شریفہ میں استعمال کئے گئے متکلم مع الغیر والی ضمیریں، معنی کے لحاظ سے یکساں نہیں

ہیں۔ ”ندع“ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ و آنحضرت علیہ السلام یعنی نصاریٰ

مقصود ہے، اور ”ابناء“، ”نساء“ و ”انفس“ اس سے خارج ہیں۔ اور ”ابنائنا“، ”نسائنا“ اور ”انفسنا“ میں خود پیغمبر اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم مقصود ہیں اور طرف مباہلہ اور ابناء، نسائ اور انفس بھی اس سے خارج ہیں۔ ”تبتھل“ میں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ اور ابناء، نساء اور انفس سب داخل ہیں۔

کم جمع کی مقدار اور خاصیت ہے مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے۔

اس بحث میں قابل ذکر ہے، وہ ”ابنائنا و نسائنا و انفسنا“ کی دلالت کا اقتضا ہے اور بعد والے جوابات محور میں

جو مباہلہ کے ہدف اور مقصد پر بحث ہوگی وہ بھی اس بحث کا تکملہ ہے۔

لیکن ”ابناء“ اور ”نساء“ کے مصادیق کے عنوان سے کتنے اور کون لوگ مباہلہ میں حاضر ہوئے، ایک علیحدہ گفتگو ہے

جس پر تیسرے محور میں بحث ہوگی۔

انفس،

نفس کی جمع ہے اور چونکہ یہ لفظ ضمیر متکلم مع الغیر ”نا“ (جس سے مقصود خود آنحضرت (ص) کی ذات

ہے) کی طرف مضاف ہے، اس لئے اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) کو جمع کے اقتضا کے مطابق کم از کم

تین ایسے افراد کو مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے جو آپ کے نفس کے زمرے میں آتے ہوں۔

کیا ”انفسنا“ خود پیغمبر اکرم (ص) پر قابل انطباق ہے؟

اگر چہ ”انفسنا“ میں لفظ نفس کا اطلاق اپنے حقیقی معنی میں صرف رسول اللہ (ص) کے نفس مبارک

پر ہے، لیکن آیہ شریفہ میں موجود قرائن کے پیش نظر ”انفسنا“ میں لفظ نفس کو خود آنحضرت (ص) پر اطلاق

نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ قرائن حسب ذیل ہیں:

۱۔ ”انفسنا“ جمع ہے اور ہر فرد کے لئے نفس ایک سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ جملہ آنحضرت (ص) کو اس کے حقیقی معنی میں دعوت دینے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور حقیقی دعوت کبھی

خود انسان سے متعلق نہیں ہوتی ہے، یعنی انسان خود کو دعوت دے، یہ معقول نہیں ہے۔

اس بنائ پر، بعض لوگوں نے تصور کیا ہے کہ ”فطوٰعت لہ نفسہ“ یا ”دعوت نفسی“ جیسے استعمال

میں ”دعوت“ (دعوت دینا) جیسے افعال نفس سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہ اس نکتہ کے بارے میں غفلت کا نتیجہ ہے

کہ یہاں پر یہ تو یہ ”نفس“ خود انسان اور اس کی ذات کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، یا ”دعوت سے مراد

”(دعوت دینا) حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ”فطوٰعت لہ نفسہ قتل اُخیہ“ کی مثال میں نفس کا مقصود انسان کی نفسانی

خواہشات ہے اور اس جملہ کا معنی یوں ہے ”اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے لئے اپنے بھائی کو قتل

کرنا آسان کر دیا“ اور ”دعوت نفسی“ کی مثال میں مقصود اپنے آپ کو کام انجام دینے کے لئے مجبور اور آمادہ کرنا ہے

اور یہاں پر دعوت دینا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ جو نفس سے متعلق ہو۔

۳۔ ”ندع“ اس جہت سے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے اس لئے نفس پر دلالت

کرتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے، کہ دوسروں کو دعوت دینے والا خود مباہلہ کا محور ہو، اور وہ خود کو بھی دعوت دے

دے۔

دوسرا محور:

مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کا مقصد پیغمبر اسلام (ص) کو کیوں حکم ہوا کہ مباہلہ کرنے کے

واسطے اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لائیں، جبکہ یہ معلوم تھا کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان دعویٰ ہے اور اس

داستان میں ایک طرف خود پیغمبر (ص) اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کے نمائندے تھے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت (ص) کے نزدیک ترین رشتہ داروں کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے

کا مقصد صرف آنحضرت (ص) کی بات سچی ہونے اور ان کی دعوت صحیح ہونے کے سلسلہ میں لوگوں کو اطمینان

و یقین دکھلانا تھا، کیونکہ انسان کے لئے اپنے عزیز ترین اشخاص کو اپنے ساتھ لانا صرف اسی صورت میں معقول

ہے کہ انسان اپنی بات اور دعویٰ کے صحیح ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اور اس طرح کا اطمینان نہ رکھنے کی صورت

میں گویا اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور کوئی بھی عقلمند انسان ایسا اقدام نہیں

کر سکتا۔

پیغمبر اکرم (ص) کے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چند اشخاص کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کے حوالے

سے یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس خاندان کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا اور

اس میں شرکت کرنا ان کے لئے کسی قسم کی فضیلت اور قدر منزلت کا باعث نہیں ہو سکتا ہے، جبکہ آیہ شریفہ

اور اس کے ضمن میں بیان ہونے والی احادیث میں غور و خوض کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ماجرا میں

پیغمبر اسلام (ص) کے ہمراہ جانے والوں کے لئے ایک بڑی فضیلت ہے۔

اہل سنت کے ایک بڑے عالم علامہ زمخشری کہتے ہیں:

”وفیہ دلیل لاشیئ اقوئ منہ علی فضله اصحاب الکساء“

”آیہ کریمہ میں اصحاب کساء (علیہم السلام) کی فضیلت پر قوی ترین دلیل موجود ہے“

آلوسی کا روح المعانی میں کہنا ہے:

”و دلالتہا علی فضل آل اللہ و رسولہ (ص) ممّا لایمتری فیہا مؤمن والنصب جازم الایمان“

”آیہ کریمہ میں ال پیغمبر (ص) کہ جو آل اللہ ہیں ان کی فضیلت ہے اور رسول اللہ (ص) کی فضیلت، ایسے امور میں سے ہے کہ جن پر کوئی مؤمن شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے اور خاندان پیغمبر (ص) سے دشمنی اور عداوت ایمان کو نابود کر دیتی ہے“

اگرچہ آلوسی نے اس طرح کی بات کہی ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والی سطروں میں اس نے ایک عظیم فضیلت کو خاندان پیغمبر (ص) سے موڑنے کی کوشش کی ہے۔ ۳

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند متعال نے کیوں حکم دیا کہ اہل بیت علیہم السلام پیغمبر اکرم (ص) کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے حاضر ہوں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم پھر سے آیہ شریفہ کی طرف پلٹتے ہیں آیہ شریفہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ’اُبناء‘، ’نساء‘ اور ’انفس‘ کو دعوت دینا اور پھر دعا کرنا اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا بیان ہوا ہے۔

آیہ مباہلہ میں اہل بیت (رسول) ص کی فضیلت و عظمت کی بلندی مفسرین نے کلمہ ”ابتہال“ کو دعا میں تضرع یا نفرین اور لعنت بھیجنے کے معنی میں لیا ہے اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتے ہیں اور ”ابتہال“ کے یہ دونوں معافی ہو سکتے ہیں۔

آیہ شریفہ میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں، ایک ابتہال جو ”نتہال“ کی لفظ سے استفادہ ہو تا ہے اور دوسرے ”ان لوگوں پر خدا کی لعنت قرار دینا جو اس سلسلہ میں جھوٹے ہیں“ کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک کے لئے خارج میں ایک خاص مفہوم اور مصداق ہے دوسرا فقرہ جو جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا ہے پہلے فقرے ابتہال پر ”فاء“ کے ذریعہ کہ جو تفریع اور سببیت کے معنی میں ہے عطف ہے۔

لہذا، اس بیان کے پیش نظر پیغمبر اکرم (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کا تضرع (رجوع الی اللہ) ہے اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت اور عقوبت کا مرتب ہونا اس کا معلول ہے، اور یہ ایک بلند مقام ہے کہ خدا کی طرف سے کافروں کو ہلاک کرنا اور انہیں سزا دینا پیغمبر اسلام (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ انجام پائے۔ یہ مطلب آنحضرت (ص) کے اہل بیت (علیہم السلام) کی ولایت تکوینی کی طرف اشارہ ہے، جو خداوند متعال کی ولایت کے برابر ہے۔

اگر کہا جائے کہ: میں ”فاء“ اگرچہ ترتیب کے لئے ہے لیکن ایسے مواقع پر ”فاء“ کے بعد والا جملہ اس کے پہلے والے جملہ کے لئے مفسر قرار پاتا ہے اور وہ ترتیب کہ جس پر کلمہ ”فاء“ دلالت کرتا ہے وہ ترتیب ذکر ہے جیسے: (بود/۲۵)

”اور نوح نے اپنے پروردگار کو آواز دی کہ پروردگار امیرا فرزند میری اہل سے ہے۔“

یہاں پر جملہ ”فقال...“ جملہ ”فنادی“ کو بیان (تفسیر) کرنے والا ہے۔ جواب یہ ہے:

اولاً: جس پر کلمہ ”فاء“ دلالت کرتا ہے وہ ترتیب و تفریع ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ ”جن دو جملوں کے درمیان ”فاء“ نے رابطہ پیدا کیا ہے، ان دونوں جملوں کا مضمون ہے کہ دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پر مترتب ہے“

اور یہ ”فاء“ کا حقیقی معنی اور تفریع کا لازمہ ہے۔ یعنی ترتیب ذکر پر ”فاء“ کی دلالت اس کے خارج میں دو مضمون کی ترتیب کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ لفظ اور کلام میں ترتیب ہے لہذا اگر اس پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کلام کو اس پر حمل نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں آیہ شریفہ آنحضرت (ص) کے خاندان کے لئے ایک عظیم مرتبہ پر دلالت رہی ہے کیونکہ ان کی دعا پیغمبر اسلام (ص) کی دعا کے برابر ہے اور مجموعی طور پر یہ دعا اس واقعہ میں جھوٹ بولنے والوں پر ہلاکت اور عذاب الہی نازل ہونے کا باعث ہے۔

دو سرے یہ کہ: جملہء ”فنجعل لعنة الله“ میں مابعد ”فاء“ جملہء سابق یعنی ”نبتھل“ کے لئے بین اور مفسر ہونے کی صلاحیت نہ پیرکھتا ہے، کیونکہ دعا کرنے والے کا مقصد خدا سے طلب کرنا ہے نہ جھوٹوں پر لعنت کرنا۔ اس صفت کے پیش نظر اس کو لعنت قرار دینا (جو ایک تکوینی امر ہے) پہلے پیغمبر اسلام (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے مستند ہے اور دوسرے ”فاء“ تفریع کے ذریعہ ان کی دعا پر متوقف ہے۔ گویا اس حقیقت کا ادراک خود نجران کے عیسائیوں نے بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم فخر رازی کی تفسیر میں ذکر کئے گئے حدیث کے ایک جملہ پر توجہ کرتے ہیں:

”... فقال اُسقف نجران: يا معشر النصارى! اِنِّى لا اُرى وجوهاً لوسائلِو الله اَنْ يزيل جبلاً من مكانه لا زاله بها فلا تباهلوا فتهلكوا ولا يبقی على وجه الارض نصرانی الى يوم القيامة۔“⁴

”نجران کے (عیسائی) پادریان نورانی چہروں کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئے اور ہو لے اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹلنے کا مطالبہ کریں تو وہ ضرور اپنی جگہ سے کھسک جائیں گے۔ اس لئے تم ان سے مباہلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔“

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ کے مضمون میں درج ذیل امور واضح طور پر بیان ہوئے ہیں:

۱۔ پیغمبر اکرم (ص)، اپنے اہل بیت علیہم السلام کو اپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ آپ کے ساتھ اس فیصلہ کن دعائیہ شریک ہوں اور مباہلہ آنحضرت (ص) اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے مشترک طور پر انجام پائے تاکہ جھوٹوں پر لعنت اور عذاب نازل ہونے میں مؤثر واقع ہو۔

۲۔ آنحضرت (ص) اور آپ کے اہل بیت (ع) کا ایمان و یقین نیز آپ کی رسالت اور دعوت کا مقصد تمام لوگوں کے لئے واضح ہو گیا۔

۳۔ اس واقعہ سے آنحضرت (ص) کے اہل بیت علیہم السلام کا بلند مرتبہ نیز اہل بیت کی آنحضرت (ص) سے قربت دنیا والوں پر واضح ہو گئی۔

اب ہم یہ دکھیں گے کہ پیغمبر اسلام (ص) ”اُبنائنا“ (اپنے بیٹوں) ”نسائنا“ (اپنی عورتوں) اور ”انفسنا“ (اپنے نفسوں) میں سے کن کو اپنے ساتھ لاتے ہیں؟

تیسرا محور

مباہلہ میں پیغمبر (ص) اپنے ساتھ کس کو لے گئے شیعہ اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو اپنے ساتھ نہیں لائے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل قابل غور ہیں:

الف: وہ احادیث جن میں پیغمبر (ص) کے اہل بیت علیہم السلام کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ب: ان احادیث کا معتبر اور صحیح ہونا۔

ج: اہل سنت کی بعض کتابوں میں ذکر ہوئی قابل توجہ روایتیں۔

مباہلہ میں اہل بیت (رسول) (ص) کے حاضر ہونے کے بارے میں حدیثیں ۱۔ اہل سنت کی حدیثیں:

چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر روئے سخن اہل سنت کی طرف ہے لہذا اکثر انہیں کے منابع سے احادیث نقل کی جائیں گی۔ نمو نہ کے طور پر اس حوالے سے چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں:

پہلی حدیث:

صحیح مسلم (۱) سنن ترمذی (۲) اور مسند احمد (۳) میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے جس کی متفق اور مسلم لفظیں یہ ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، ج ۵، ص ۲۳ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابیطالب، ح ۳۲، مؤسسہ عزالدین للطباعة والنشر

۲۔ سنن ترمذی، ج ۵، ص ۵۶۵ دار الفکر ۳۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۵، دار صادر، بیروت

”حدثنا قتيبة بن سعيد و محمد بن عباد... قال: حدثنا حاتم (و هو ابن اسماعيل) عن بكير بن مسمار، عن عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، قال: أمر معاوية بن أبي سفيان سعداً فقال: ما منعك أن تسب أبا التراب؟ فقال: أما ما ذكرت ثلاثاً قالهنّ له رسول الله (ص) فلن أسبّه. لأن تكون لي واحدة منهنّ أحبّ إليّ من حمر النعم. سمعت رسول الله (ص) يقول له لما خلفه في بعض مغازيه فقال له عليّ: يا رسول الله، خلفتني مع النساء والصبيان؟ فقال له رسول الله (ص): أما ترضى أن تكون منّي بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لانبوة بعدى؟ و سمعته يقول يوم خيبر: لأعطين الراية رجلاً يحبّ الله و رسوله و يحبّه الله و رسوله. قال: فتناولنا لها. فقال: أدعو الى علياً فأنتي به أرمء، فبصق في عينه ودفع الراية إليه، ففتح الله عليه.

ولمّا نزلت هذه الآية دعا

رسول الله - صلى الله عليه وسلم - علياً وفاطمة وحسناً وحسيناً،

فقال: اللهم هؤلاء اهليّ.

”قتيبة بن سعيد اور محمد بن عباد نے ہمارے لئے حدیث نقل کی، -- عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ (سعد بن ابی وقاص) سے کہ معاویہ نے سعد کو حکم دیا اور کہا: تمہیں ابوتراب (علی بن ابیطالب علیہ السلام) کو دشنام دینے اور برا بھلا کہنے سے کو نسی چیز مانع ہوئی (سعد نے) کہا: مجھے تین چیزیں (تین فضیلتیں) یاد ہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے، لہذا میں انہیں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہوں گا۔ اگر مجھ میں ان تین فضیلتوں میں سے صرف ایک پائی جاتی تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب تر ہوتی:

۱۔ میں نے پیغمبر خدا (ص) سے سنا ہے ایک جنگ کے دوران انہیں (حضرت علی علیہ السلام) مدینہ میں اپنی جگہ پر رکھا تھا اور علی (علیہ السلام) نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑ رہے ہیں؟ (آنحضرت (ص) نے) فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہو جو ہارون (کی) (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے ساتھ تھی، صرف یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہو گا؟ ۲۔ میں نے (رسول خدا (ص) سے) سنا ہے کہ آپ نے روز خیبر علی کے بارے میں فرمایا: بیشک میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا و رسول (ص) کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول (ص) اس کو دوست رکھتے ہیں۔ (سعد نے کہا: ہم) اس بلند مرتبہ کے لئے (سراٹھا کر دیکھ رہے تھے) کہ آنحضرت (ص) اس امر کے لئے ہمیں مقرر فرماتے ہیں یا نہیں؟ اس وقت آنحضرت (ص) نے فرمایا: علی (علیہ السلام) کو میرے پاس بلاؤ۔ علی (علیہ السلام) کو ایسی حالات میں آپ کے پاس لایا گیا، جبکہ ان کی آنکھوں میں درد تھا، آنحضرت (ص) نے اپنا آب دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا اور پرچم ان کے ہاتھ میں تھما دیا اور خدائے متعال نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

۳۔ جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی: > قل تعالو اندع ابناء نا و ابناءکم و نساونا و نسائکم و انفسنا و انفسکم۔۔۔< تو پیغمبر اکرم (ص) نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو بلا کر فرمایا: خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“
اس حدیث سے قابل استفادہ نکات:

۱۔ حدیث میں جو آخری جملہ آیا ہے: ”اللہم هؤلاء اہلی“ خدایا! یہ میرے اہل ہیں، اس بات پر دلالت کرتا ہے ”اہل“ ”نساء“ اور ”انفس“ جو آیہ شریفہ میں آئے ہیں، وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل ہیں۔

۲۔ ”اہل“ ”نساء“ و ”انفس“ میں سے ہر ایک جمع مضاف ہیں (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) اس کا اقتضایہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خاندان کے تمام بیٹوں، عورتوں اور وہ ذات جو آپ کا نفس کہلاتی تھی، سب کو میدان مباہلہ میں لائیں، جبکہ آپ نے ”اہل“ میں سے صرف حسن و حسین علیہما السلام کو اور ”نساء“ سے صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اور ”انفس“ سے صرف حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لایا۔ اس مطلب کے پیش نظر جو آپ نے یہ فرمایا: ”خدایا، یہ میرے اہل ہیں“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) کے اہل صرف یہی حضرات ہیں اور آنحضرت (ص) کی بیویاں اس معنی میں آپ کے اہل کے دائرے سے خارج ہیں۔

۳۔ ”اہل“ اور ”اہل بیت“ کے ایک خاص اصطلاحی معنی ہیں جو پنجتن پاک کہ جن کو آل عبا اور اصحاب کساء کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسروں پر اس معنی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ یہ مطلب، پیغمبر اسلام (ص) کی بہت سی احادیث سے کہ جو آیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری مناسبتوں سے بیان کی ہیں گئی بخوبی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

دوسری حدیث:

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں ایہ مباہلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

”روی ائہ - علیہ السلام - لما اُورِد الدلائل علی نصاریٰ نجران، ثم اُنْهَم اَصْرُوا علی جھلہم، فقال - علیہ السلام - اِنَّ اللہ امرنی ان لم تقبلوا الحجّة ان اُباہلکم۔ فقالوا: یا ابا القاسم، بل نرجع فننظر فی امرنا ثم نأتیک۔ فلما رجعوا قالوا للعاقب - وکان ذاراً یہم - : یا عبدالمسیح، ماتری؟ فقال: و اللہ لقد عرفتہ یا معشر النصارى اِنَّ محمداً نبی مرسل و لقد جاء کم بالكلام الحق فی امر صاحبکم و اللہ ما باہل قوم نبیاً قط فعاش کبیرہم و لا نبت صغیرہم! و لئن فعلتم لکان الا ستئصال ، فإن اُبیتم إلا الإصرار علی دینکم و الإقامة علی ما اُنتم علیہ فوادعوا الرجل و انصرفوا إلی بلادکم۔ و کان رسول اللہ (ص) خرج و علیہ مرط من شعراً سود، و کان قد احتضن الحسین و أخذ بید الحسن، و فاطمہ تمشی خلفہ و علی - علیہ السلام - خلفہا، و هو یقول: إذا دعوت فأَمَّنوا فقال اُسقف نجران: یا معشر النصارى! اِنّی لأری وجوهاً لو سألوا اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بہا! فلا تباہلوا فتہلکوا، و لا یبقی علی وجہ الاض نصرائی إلی یوم القيامة۔ ثم قالوا: یا ابا القاسم! رأینا ان لا نباہلک و ان نقرک علی دینک فقال:- صلوات اللہ علیہ - فإذا اُبیتم المباہلة فاسلموا یکن لکم ما للمسلمین، و علیکم ما

على المسلمين، فأبوا، فقال: فإنّي أنجزكم القتال، فقالوا مالنا بحرب العرب طاقة، ولكن نصالك على أن لا تغزونا و لا تردنا عن ديننا على أن نؤدّي إليك في كل عام ألفى حلّة: ألفاً في صفر و ألفاً في رجب، و ثلاثين درعاً عادية من حديد، فصالحهم على ذلك. وقال: والذي نفسي بيده إنّ الهلاك قد تدلّى على أهل نجران، ولولا عناوالمسوخا قردة و خنازير و لاضطرم عليهم الوادي ناراً ولاستأّ صل الله نجران وأهله حتى الطير على رؤس الشجر و لما حالا لحوال على النصارى كلّهم حتى يهلكوا و روى أنّه - عليه السلام - لمّ خرج في المرط الأسود فجاء الحسن - عليه السلام - فأدخله، ثمّ جائ الحسين - عليه السلام - فأدخله، ثمّ فاطمة - عليها السلام - ثمّ على - عليه السلام - ثمّ قال: واعلم أنّ هذه الرواية كالمتمفق على صحتّها بين أهل التّفسير والحديث. 5

”جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پر دلائل واضح کردئے اور انہوں نے اپنی نادانی اور جہل پر اصرار کیا، تو آنحضرت (ص) نے فرمایا: خدائے متعال نے مجھے حکم دیا ہے اگر تم لوگوں نے دلائل کو قبول نہیں کیا تو تمہارے ساتھ مباہلہ کروں گا۔“ (انہوں نے) کہا: اے ابوالقاسم! ہم واپس جاتے ہیں تاکہ اپنے کام کے بارے میں غور و فکر کر لیں، پھر آپ کے پاس آئیں گے۔

جب وہ (اپنی قوم کے پاس) واپس چلے گئے، انہوں نے اپنی قوم کے ایک صاحب نظر کہ جس کا نام ”عاقب“ تھا اس سے کہا: اے عبدال مسیح! اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچانتے ہو اور جانتے ہو وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آپ کے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حق بات کہتے ہیں۔ خدا کی قسم کسی بھی قوم نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہیں کیا، مگر یہ کہ اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اس لئے اگر اپنے دین پر باقی رہنے کے لئے تمہیں اصرار ہے تو انہیں چھوڑ کر اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ پیغمبر اسلام (ص) (مباہلہ کے لئے) اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ حسین (علیہ السلام) آپ کی آغوش میں تھے، حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، فاطمہ (سلام اللہ علیہا) آپ کے پیچھے اور علی (علیہ السلام) فاطمہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ آنحضرت (ص) فرماتے تھے: ”جب میں دعا مانگوں تو تم لوگ آمین کہنا“ نجران کے پادری نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔ لہذا ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا، ورنہ تم لوگ ہلاک ہو جاؤ گے اور روی زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب جبکہ مباہلہ نہیں کر رہے ہو تو مسلمان ہو جاؤ تاکہ

مسلمانوں کے نفع و نقصان میں شریک رہو۔ انہوں نے اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا: اس صورت میں تمہارے ساتھ ہماری جنگ قطعی ہے۔ انہوں نے کہا: عربوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ کے ساتھ صلح کریں گے تاکہ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں اور ہمیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہ کریں گے، اس کے بدلہ میں ہم ہر سال آپ کو دو ہزار لباس دیں گے، ایک ہزار لباس صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار لباس رجب کے مہینہ میں اور تیس ہزار آبی زہ ادا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا اس طرح ان کے ساتھ صلح کر لی۔ اس کے بعد فرمایا: قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اہل نجران نابودی کے دہانے پر پہنچ چکے تھے، اگر مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہو جاتے اور جس صحرامیں سکونت اختیار کرتے اس میں آگ لگ جاتی اور خداوند متعال نجران اور اس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتا، یہاں تک کہ درختوں پر موجود پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام عیسائی صفحہ ہستی سے مٹ جاتے۔ روایت میں ہے کہ جب پیغمبر اکرم (ص)، اپنی پشمنی کالی

رنگ کی عبا پہن کر باہر تشریف لائے) اپنے بیٹے) حسن (علیہ السلام) کو بھی اس میں داخل کر لیا، اس کے بعد حسین (علیہ السلام) آگئے انہیں بھی عبا کے نیچے داخل کیا اس کے بعد علی و فاطمہ (علیہما السلام) تشریف لائے اس کے بعد فرمایا: ”پس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر طرح کی کثافت و پلیدی سے دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“ علامہ فخر رازی نے اس حدیث کی صحت و صداقت کے بارے میں کہا ہے کہ تمام علماء تفسیر و احادیث کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ہے۔“

حدیث میں قابل استفادہ نکات:

اس حدیث میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ اس حدیث میں رسول (ص) کے اہل بیت کا حضور اس صورت میں بیان ہوا ہے کہ خود آنحضرت (ص) آگے آگے) حسین (علیہ السلام) کو گود میں لئے ہوئے، حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے جو حسین (علیہ السلام) سے قدرے بڑے ہیں اور آپکی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا آپکے پیچھے اور ان کے پیچھے (علیہ السلام) ہیں۔ یہ کیفیت انتہائی دلچسپ اور نمایاں تھی۔ کیونکہ یہ شکل ترتیب آیہ مباہلہ میں مذکور ہوئی ترتیب و صورت سے ہم آہنگ ہے۔ اس ہم آہنگی کا درج ذیل ابعاد میں تجزیہ کیا جاسکتا ہے:

الف: ان کے آنے کی ترتیب وہی ہے جو آیہ شریفہ میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی پہلے ”اُبناء نا“ اس کے بعد ”نسائنا“ اور پھر آخر پر ”اُنفسنا“ ہے۔

ب: یہ کہ رسول خدا (ص) اپنے چھوٹے فرزند حسین بن علی علیہما السلام کو آغوش میں لئے ہوئے اور اپنے دوسرے فرزند خرد سال حسن بن علی علیہما السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، یہ آیہ شریفہ میں بیان ہوئے ”بناء نا“ کی عینی تعبیر ہے۔

ج۔ بیچ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا قرار پانا اس گروہ میں ”نسائنا“ کے منحصر بہ فرد مصداق کے لئے آگے اور پیچھے سے محافظ قرار دیا جا نا، آیہ شریفہ میں ”نسائنا“ کی مجسم تصویر کشی ہے۔

۲۔ اس حدیث میں پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا: اذ ادعوت فاء منوا“ یعنی: جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا اور یہ وہی

۱۔ دعا کے بعد آمین کہنا، خدا متعال سے دعا قبول ہونے کی درخواست ہے۔

چیز ہے جو آیہ مباہلہ میں آئی ہے:

یہاں پر ”ابتہال“ (دعا) کو صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی گئی

ہے، بلکہ ”ابتہال“ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعا کی صورت میں اور آپ کے ہمراہ آئے ہوئے اعزہ و اقر باکی طرف سے آمین کہنے کی صورت میں محقق ہونا چاہئے تاکہ (اس واقعہ میں) جھوٹوں پر ہلاکت اور عقوبت الہی واقع ہونے کا سبب قرار پائے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۳۔ گروہ نصاریٰ کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و فضیلت کا اعتراف یہاں تک کہ ان کے نورانی و مقدس چہروں کو دیکھنے کے بعد مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا۔

تیسری حدیث:

ایک اور حدیث جس میں ”اُبناء نا“، ”نسائنا“ اور ”اُنفسنا“ کی لفظی صرف علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام پر صادق آتی ہیں، وہ حدیث ”مناشد یوم الشوری“ ہے۔ اس حدیث میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ

السلام، اصحاب شوریٰ) عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص) سے کہ جس دن یہ شوریٰ تشکیل ہوئی اور عثمان کی خلافت پر منتج و تمام ہوئی، اپنے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس طرح سے کہ ان تمام فضیلتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہیں خدا کی قسم دیتے ہیں اور ان تمام فضیلتوں کو اپنی ذات سے مختص ہونے کا ان سے اعتراف لیتے ہیں۔ حدیث یوں ہے:

”اُخبرنا أبو عبد الله محمد بن إبراهيم، أنا أبو الفضل أحمد بن عبد المنعم بن أحمد ابن بندار، أنا أبو الحسن العتيقي، أنا أبو الحسن الدارقطني، أنا أحمد بن محمد بن سعيد، أنا يحيى بن زكريا بن شيبان، أنا يعقوب بن سعيد، حدثني مثنى أبو عبد الله، عن سفيان الشوري، عن ابن إسحاق السبيعي، عن عاصم بن ضمرة وهبيرة و عن العلاء بن صالح، عن المنهال بن عمرو، عن عباد بن عبد الله الأسدي و عن عمرو بن واثلة قالوا: قال علي بن أبي طالب يوم الشوري: والله لأحتجنّ عليهم بما لا يستطيع قرشيّهم و لا عربيّهم و لا عجميّهم ردّه و لا يقول خلافة۔ ثمّ قال لعثمان بن عفان ولعبدالرحمن بن عوف و الزبير و طلحة و سعد - و هن اصحاب الشوري و كلّهم من قريش، و قد كان قدم طلحة - أنشدكم بالله الذي لا إله إلا هو، أفيكم أحد و حدّ الله قبلي؟ قالوا: اللّهم لا۔ قال: أنشدكم بالله، أفيكم أحد أخو رسول الله - صلى الله عليه وسلم - غيري، إذ أخى بين المؤمنين فأخى بيني و بين نفسه و جعلني منه بمنزلة هارون من موسى إلا أنا لست بنبي؟ قالوا: لا۔ قال: أنشدكم بالله، أفيكم مطهر غيري، إذ سدّ رسول الله (ص) أبوابكم و فتح بابي و كنت معه في مساكنه و مسجده؟ فقام إليه عمّه فقال: يا رسول الله، غلقت أبوابنا و فتحت باب علي؟ قال: نعم، الله أمر بفتح باب به و سدّ أبوابكم !!! قالوا: اللّهم لا۔ قال: نشدكم بالله، أفيكم أحد أحب إلى الله و إلى رسوله مني إذ دفع الراية إلى يوم خير فقال: لأعطين الراية إلى من يحبّ الله و رسوله و يحبّه الله و رسوله، و يوم الطائر إذ يقول: ”اللّهم ائتنى بأحب خلقك إليك يأكل معي“، فجئت فقال: ”اللّهم و إلى رسولك، اللّهم و إلى رسولك“

غیری؟ 6 قالوا: اللّهم لا قال: نشدتم بالله، أفيكم أحد قدم بين يدي نجواه صدقة غیری حتى رفع الله ذلك الحكم؟ قالوا: اللّهم لا۔ قال: نشدتم بالله، أفيكم من قتل مشرکی قريش و العرب فی الله و فی رسوله غیری؟ قالوا: اللّهم لا۔ قال: نشدتم بالله، أفيكم أحد دعا رسول الله (ص) في العلم و أن يكون أذنه الواعية مثل ما دعالي؟ قالوا: اللّهم لا قال: نشدتم بالله، هل فيكم أحد أقرب إلى رسول الله (ص) فی الرحم و من جعله و رسول الله (ص) نفسه و إبناء أنبائه و... غیری؟ قالوا: اللّهم لا... 7

اس حدیث کو معاصم بن ضمرہ و ہبیرہ اور عمرو بن واثلہ نے حضرت (علی علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن یوں فرمایا:

”خدا کی قسم بیشک میں تمہارے سامنے ایسے استدلال پیش کروں گا کہ اہل عرب و عجم نیز قریش میں سے کوئی شخص بھی اس کو مسترد نہیں کر سکتا اور مذہبی اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں تمہیں اس خدا کی قسم دلاتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے خدائے واحد کی پرستش کی ہو؟ انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے! نہیں۔ آپ (ع) نے فرمایا: تمہیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جو رسول (ص) کا بھائی ہو، جب آنحضرت (ص) نے مؤمنین کے درمیان اخوت اور برادری برقرار کی، اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میرے بارے

میں یہ ارشاد فرمایا کہ: ”تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کی موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میں نبی نہیں ہوں۔“ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جسے پاک و پاکیزہ قرار دیا گیا ہو، جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے گھروں

کے دروازے مسجد کی طرف بند کر دیئے تھے اور میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور میں مسکن و مسجد کے سلسلہ میں انحضرت (ص) کے ساتھ (اور آپ کے حکم میں) تھا، چچا (حضرت) عباس اپنی جگہ اٹھے اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے گھروں کے دروازے بند کر دیئے اور علی (علیہ السلام) کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ خدائے متعال کی طرف سے ہے کہ جس نے ان کے دروازہ کو کھلا رکھنے اور آپ لوگوں کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔ فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تمہارے درمیان کوئی ہے جسے خدا اور رسول مجھ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں، جبکہ پیغمبر (ص) نے خیر کے دن علم اٹھا کر فرمایا ”بیشک میں علم اس کے ہاتھ میں دونگا جو خدا اور رسول (ص) کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں“ اور جس دن بھنے ہوئے پرندہ کے بارے میں فرمایا: ”خدا یا! میرے پاس اس شخص کو بھیج جسے تو سب سے زیادہ چاہتا ہے تاکہ وہ میرے ساتھ کھا نا کھائے۔“ اور اس دعا کے نتیجہ میں، میں اگیا۔ میرے علاوہ کون ہے جس کے لئے یہ اتفاق پیش آیا ہو؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے پیغمبر سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا ہو، یہاں تک کہ خدائے وند متعال نے اس حکم کو منسوخ کر دیا؟ انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے قریش اور عرب کے مشرکین کو خدا اور اس کے رسول (ص) کی راہ میں قتل کیا ہو؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس کے حق میں پیغمبر اکرم (ص) (افزائش) علم کے سلسلہ میں دعا کی ہو اور اذن و اعیہ (گوش شنوا) کا خدا سے مطالبہ کیا ہو، جس طرح میرے حق میں دعا کی؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔ فرمایا: تمہیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ہے جو پیغمبر اکرم (ص) سے رشتہ داری میں مجھ سے زیادہ نزدیک ہو اور جس کو پیغمبر خدا (ص) نے اپنا نفس، اس کے بیٹوں کو اپنے بیٹے کہا ہو؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔“ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مباہلہ میں شریک ہو نے والے افراد، کہ جنہیں پیغمبر اکرم (ص) اپنے ساتھ لائے تھے وہ، علی، فاطمہ، حسن، وحسین (علیہم السلام) کی ذات تک محدود ہیں۔

حدیث کا معتبر اور صحیح ہونا:

اہل سنت کی احادیث کے بارے میں ہم صرف مذکورہ احادیث ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور ان احادیث کے مضمون کی صحت کے بارے میں یعنی مباہلہ میں صرف پنجن آل (عبا) پیغمبر کے علاوہ علی، فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام) ہی شامل تھے اس حوالے سے صرف حاکم نیشابوری کے درج ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں: وہ اپنی کتاب ”معرفة علوم الحديث“ میں پہلے آئے مباہلہ کے نزول کو ابن عباس سے نقل کرتا ہے اور وہ انفسنا سے حضرت علی علیہ السلام، ”نسائنا“ سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ”ابناءنا“ سے حسن و حسین علیہما السلام مراد لیتا ہے۔ اس کے بعد ابن عباس اور دوسروں سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی روایتوں کو متواتر جانتے ہوئے کے اہل بیت (ع) کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش: ”بؤلای ابناءنا و انفسنا

ونسائنا“ کے سلسلہ میں یاد دہانی کراتا ہے۔ 8

چنا نچہ اس باب میں اصحاب کے ایک گروہ جیسے جابر بن عبد اللہ، ابن عباس اور امیر المؤمنین کے حوالے سے مختلف طرق سے احادیث نقل ہوئی ہیں، اس مختصر کتاب میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے ہم حاشیہ میں بعض ان منابع کی طرف اشارہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں 9

۲۔ شیعہ امامیہ کی احادیث شیعہ روایتوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں بہت سی فراوان احادیث موجود ہیں، یہاں پر ہم ان میں سے چند احادیث کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

پہلی حدیث

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ، جب نجران کے عیسائی پیغمبر اسلام (ص) کے پاس آئے، ان کی نماز کا وقت ہو گیا وہیں پر گھنٹی بجائی اور (اپنے طریقہ سے) نماز پڑھنا شروع کے۔ اصحاب نے کہا: اللہ کے رسول یہ لوگ آپ کی مسجد میں بیویوں سے کر رہے ہیں! آپ نے فرمایا: انہیں عمل کرنے دو۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، پیغمبر اکرم (ص) کے قریب آئے اور کہا: ہمیں آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟

النیشابوری/ج ۳/ص ۲۱۳/دارالمعرفة بیروت، تلخیص المستدرک/ج ۳/ص ۱۵۰/دارالمعرفة بیروت، جامع احکام القرآن/قرطبی/ج ۴/ص ۱۰۴/دارالفکر، جامع الاصول/ج ۹/ص ۴۶۹/داراحیاء التراث العربی، الجامع الصحیح للترمذی/ج ۵/ص ۵۹۶/دارالفکر، الدر المنثور/ج ۲/ص ۲۳۳-۲۳۰/دارالفکر، دلائل النبوة ابونعیم اصفہانی/ص ۲۹۷، ذخائر العقبی/ص ۲۵/مؤسسة الوفاء بیروت، روح المعانی/ج ۳/ص ۱۸۹/داراحیاء التراث العربی، الرياض النضرة/ج ۳/ص ۱۳۴/دارالندوة الجدید بیروت، زاد المسیر فی علم التفسیر/ج ۱/ص ۳۳۹/دارالفکر، شواهد التنزیل/حاکم حسانی/ج ۱/ص ۱۵۵-۱۶۷/مجمع احیاء الثقافة الاسلامیة، صحیح مسلم/ج ۵/ص ۲۳/کتاب فضائل الصحابة/باب فضائل علی بن ابی طالب/ج ۳۲/مؤسسة عزالدین، الصواعق المحرقة/ص ۱۴۵/مکتبة القاهرة، فتح القدیر/ج ۱/ص ۳۱۶/ط مصر (بہ نقل احقاق)، فرائد السمطین/ج ۲/ص ۲۴، ۲۳/مؤسسة محمود بیروت، الفصول المهمة/ص ۲۵-۲۶، ۱۲۷-۱۲۳/منشورات الاعلمی، کتاب التسهیل لعلوم التنزیل/ج ۱/ص ۱۰۹/دارالفکر، الکشاف/ج ۱/دارالمعرفة بیروت، مدارج النبوة/ص ۵۰۰ (بمبئی) (بہ نقل احقاق)، المستدرک علی الصحیح/ج ۳/ص ۱۵۰/دارالمعرفة بیروت، مسند احمد/ج ۱/ص ۱۸۵/دار صادر بیروت، مشکوة المصابیح/ج ۳/ص ۱۷۳/المکتب الاسلامی، مصابیح السنة/ج ۴/ص ۱۸۳/دارالمعرفة بیروت، مطالب السؤل/ص ۷/چاپ تهرآن، معالم التنزیل/ج ۱/ص ۴۸۰/دارالفکر، معرفة اصول الحديث/ص ۵۰/دارالکتب العلمیة بیروت، مناقب ابن مغالزی/ص ۲۶۳/المکتبة الاسلامیة تهرآن

آپ نے فرمایا: اس کی دعوت دیتا ہوں کہ، خدائے واحد کی پرستش کرو، میں خدا کا رسول ہوں اور عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے مخلوق بیوہ کھاتے اور پیتے ہیں نیز قضاے حاجت کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا: اگر وہ خدا کے بندے ہیں تو اس کا باپ کون ہے؟

پیغمبر خدا (ص) پر وحی نازل ہوئی کہ اے رسول ان سے کہہ دیجئے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وہ خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور کھاتے اور پیتے ہیں... اور نکاح کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اگر خدا کے ہر بندے اور مخلوق کے لئے کوئی باپ ہونا چاہئے تو آدم علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ وہ جواب

دینے سے قاصر رہے۔ خدائے متعال نے درج ذیل دو آیتیں نازل فرمائیں:

(آل عمران ۶۱)

”عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہوا جاتو وہ پیدا ہو گئے۔۔۔ اے پیغمبر! علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ جاتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ ٹھیک ہے تم اپنے فرزند، اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاؤ اور ہم بھی اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں پھر خدا کی بارگاہ میں دونوں ملکر دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں“

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: ”میرے ساتھ مباہلہ کرو، اگر میں نے سچ کہا ہوگا تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہوگا اور اگر میں نے جھوٹ کہا ہوگا تو مجھ پر عذاب نازل ہوگا“

انہوں نے کہا: آپ نے منصفانہ نظریہ پیش کیا ہے اور مباہلہ کو قبول کیا۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹے، ان کے سرداروں نے ان سے کہا: اگر محمد (ص) اپنی قوم کے ہمراہ مباہلہ کے لئے تشریف لا ئیں، تو وہ پیغمبر نہیں ہیں، اس صورت میں ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں گے، لیکن اگر وہ اپنے اہل بیت (علیہم السلام) اور اعزہ کے ہمراہ تشریف لا ئیں تو ہم ان کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔

صبح کے وقت جب وہ میدان مباہلہ میں آگئے تو دیکھا کہ پیغمبر (ص) کے ساتھ علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ اس وقت انہوں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ ان سے کہا گیا: وہ مردان کا چچا زاد بھائی اور داماد علی بن ابیطالب ہیں اور وہ عورت ان کی بیٹی فاطمہ ہے اور وہ دو بچے حسن اور حسین (علیہما السلام) ہیں۔ انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا اور آنحضرت (ص) سے کہا: ”ہم آپ کی رضایت کے طا لب ہیں۔ ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔“ آنحضرت (ص) نے ان کے ساتھ صلح کی اور طے پایا کہ وہ جزیہ ادا کریں۔ 10

دوسری حدیث

سید بحرانی، تفسیر ”البرہان“ میں ابن بابویہ سے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:

”حضرت (امام رضا علیہ السلام) نے مامون اور علماء کے ساتھ عترت و امت میں فرق اور عترت کی امت پر فضیلت کے بارے میں اپنی گفتگو میں فرمایا: جہاں پر خدائے متعال

ان افراد کے بارے میں بیان فرماتا ہے جو خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں، اور خدا اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیتا ہے کہ مباہلہ کے لئے اپنے اہل بیت کو اپنے ساتھ لائیں اور فرماتا ہے: علماء نے حضرت سے کہا: آیہ میں ’انفسنا‘ سے مراد خود پیغمبر (ص) ہیں! امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ بلکہ ’انفسنا‘ سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے بنی ولیعہ سے فرمایا: ”اَوَّلَ بَعْثٍ اِلَيْهِمْ رَجُلًا كُنْفَسِي“ یعنی: ”بنی ولیعہ کو اپنے امور سے دست بر دار ہو جا نا چاہئے، ورنہ میں اپنے مانند ایک مرد کو ان کی طرف روانہ کروں گا۔“

”ابناء نا“ کے مصداق حسن و حسین (علیہما السلام) ہیں اور ”نساء نا“ سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے، جس تک کوئی نہیں پہنچ سکا اور یہ ایسی بلندی ہے جس تک انسان کا پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں ہے اور یہ ایسی شرافت ہے جسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ یعنی علی (علیہ السلام) کے نفس کو اپنے نفس کے برابر قرار دیا۔ 11

تیسری حدیث

اس حدیث میں، ہارون رشید، موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے کہتا ہے: آپ کس طرح اپنے آپ کو پیغمبر (ص) کی اولاد جانتے ہیں جبکہ انسانی نسل بیٹے سے پھیلتی ہے اور آپ پیغمبر (ص) کی بیٹی کے بیٹے ہیں؟ امام (علیہ السلام) نے اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہی۔ ہارون نے کہا: اس مسئلہ میں آپ کو اپنی دلیل ضرور بیان کرنا ہو گی آپ فرزندان، علی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے آپ لوگ قرآن مجید کا مکمل علم رکھتے ہیں نیز آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف بھی آپ کے علم سے خارج نہیں ہے اور اس سلسلہ میں خداوند متعال کے قول: 12

سے استدلال کرتے ہیں اور اس طرح علماء کی رائے اور ان کے قیاس سے اپنے آپ کو بے نیاز جانتے ہو! حضرت (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) نے ہارون کے جواب میں اس آیت شریفہ کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت بتایا گیا ہے:

> و من ذریتہ داود و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون و کذلک نجزی المحسنین زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس۔۔۔ < 13

”اور پھر ابراہیم کی اولاد میں داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون قرار دیا اور ہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی رکھا جو سب کے سب نیک عمل انجام دینے والے ہیں۔“ اس کے بعد امام (علیہ السلام) نے ہارون سے سوال کیا: حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا باپ کون تھا؟ اس نے جواب میں کہا: عیسیٰ (علیہ السلام) بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ امام (ع) نے فرمایا: جس طرح خدائے متعال نے جناب عیسیٰ کو حضرت مریم (سلام اللہ علیہا) کے ذریعہ (ذریعہ انبیاء) علیہم السلام سے ملحق کیا ہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے ذریعہ پیغمبر اکرم (ص) سے ملحق فرمایا ہے۔

اس کے بعد حضرت (ع) نے ہارون کے لئے ایک اور دلیل پیش کی اور اس کے لئے آیت مباہلہ کی تلاوت کی اور فرمایا: کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ مباہلہ کے دوران، پیغمبر اکرم (ص) نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو زیر کساء داخل کیا ہو۔ اس بناء پر آیت شریفہ میں ”اُبْنائنا“ سے مراد حسن و حسین (علیہما السلام) ”نسائنا“ سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور ”اَنفُسنا“ سے مراد علی علیہ السلام ہیں۔ 14

چوتھی حدیث

اس حدیث میں کہ جسے شیخ مفید نے ”الاختصاص“ میں ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا: پوری امت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم (ص) نے اہل نجران کو مباہلہ کے لئے بلایا تو زیر کساء وہ چادر جس کے نیچے اہل بیت رسول تشریف فرما تھے (علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اس بناء پر خدائے متعال کے قول: > فقل تعالوا ندع اُبْنائنا و اَبْناء کم و نساء نا و نسائکم و اَنفُسنا و اَنفُسکم< میں ”اُبْنائنا“ سے حسن و حسین (علیہما السلام) ”نسائنا“ سے فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ”اَنفُسنا“ سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں۔ 15

شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا سے ایک گفتگو

صاحب تفسیر ”المنار“ پہلے تو فرما تے ہیں کہ ”روایت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے مباہلہ کے لئے علی (ع) و فاطمہ (س) اور ان کے دو نوں بیٹوں کے خدا کا ان پر درود و سلام ہو کا انتخاب کیا اور انہیں میدان میں لائے اور ان سے فرمایا: ”اگر میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا“ روایت کو جاری رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ مسلم اور ترمذی کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں:

استاد امام (شیخ محمد عبدہ) نے کہا ہے: اس سلسلہ میں روایتیں متفق علیہ ہیں کہ پیغمبر (ص) نے مباہلہ کے لئے علی (ع) و فاطمہ (س) اور ان کے بیٹوں کو منتخب کیا ہے اور آیہ شریفہ میں لفظ ”نسائنا“ فاطمہؑ کے لئے اور لفظ ”انفسنا“ کا استعمال علی کے لئے ہوا ہے۔ لیکن ان روایتوں کا سرچشمہ شیعہ منابع ہیں اور انہوں نے یہ احادیث گھڑی ہیں اور اس سے ان کا مقصد بھی معلوم ہے۔ وہ حتی الامکان ان احادیث کو شائع و مشہور کرنا چاہتے ہیں اور ان کی یہ روش بہت سے سنیوں میں بھی عام ہو گئی ہے! لیکن جنہوں نے ان روایتوں کو گھڑا ہے، وہ ٹھیک طریقہ سے ان روایتوں کو آیتوں پر منطبق نہیں کر سکے ہیں، کیونکہ لفظ ”نساء“ کا استعمال کسی بھی عربی لغت میں کسی کی بیٹی کے لئے نہیں ہوا ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ خود اس کی بیویاں موجود ہوں، اور یہ عربی لغت کے خلاف ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ ”انفسنا“ سے مراد علی (ع) کو لیا جائے 16

استاد محمد عبدہ کی یہ بات کہ جن کا شمار بزرگ علماء اور مصلحین میں ہوتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے ان روایتوں کی کثرت اور ان کے متفق علیہ ہونے کو تسلیم کیا ہے، پھر بھی انہیں جعلی اور من گھڑت کہا ہے۔

کیا ایک عام مسلمان، چہ جائیکہ ایک بہت بڑا عالم اس بات کی جرات کر سکتا ہے کہ ایک ایسی حقیقت کو آسانی کے ساتھ جھٹلا دے کہ جو رسول اللہ (ص) کی صحیح و معتبر سنت میں مستحکم اور پائدار بنیاد رکھتی ہو؟! اگر معتبر صحاح اور مسانید میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل ہوئی ہے وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں کہ جو اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد دومعتبر ترین کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے، اس طرح بے اعتبار کی جائے، تو مذاہب اسلامی میں ایک مطلب کو ثابت کرنے یا مسترد کرنے کے سلسلہ میں کس منبع و ماخذ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اگر ائمہ

مذاہب کی زبانی متواتر احادیث معتبر نہیں ہوں گی تو پھر کونسی حدیث معتبر ہوگی؟! کیا حدیث کو قبول اور مسترد کرنے کے لئے کوئی قاعدہ و ضابطہ ہے یا ہر کوئی اپنے ذوق و سلیقہ نیز مرضی کے مطابق ہر حدیث کو قبول یا مسترد کر سکتا ہے؟ کیا یہ عمل سنت رسول (ص) کے ساتھ زیادتی اور اس کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟

شیخ محمد عبدہ نے آیہ شریفہ کے معنی پر دقت سے توجہ نہیں کی ہے اور خیال کیا ہے کہ لفظ ”نسائنا“ حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ جبکہ ”نسائنا“ خود اپنے ہی معنی میں استعمال ہوا ہے، رہا سوال رسول خدا (ص) کی بیویوں کا کہ جن کی تعداد اس وقت نو تھی ان میں سے کسی ایک میں بھی وہ بلند مرتبہ صلاحیت موجود نہیں تھی اور خاندان پیغمبر (ص) میں تنہا عورت، جو آپ کے اہل بیت میں شمار ہوتی تھیں اور مذکورہ صلاحیت کی مالک تھیں، حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) تھیں، جنہیں انحضرت (ص) اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے۔ 17

”انفسنا“ کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بحث ہو چکی ہے انشا اللہ بعد والے محور میں بھی اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔

ایک جعلی حدیث اور اہل سنت کا اس سے انکار

مذکورہ روایتوں سے ایک دوسرا مسئلہ جو واضح ہو گیا وہ یہ تھا کہ خامس آل عبا (پنجتن پاک علیہم السلام) کے علاوہ کوئی شخص میدان مباہلہ میں نہیں لایا گیا تھا۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر بعض کتابوں میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کی گئی روایت کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) ابوبکر اور ان کے فرزندوں، عمر اور ان کے فرزندوں، عثمان اور ان کے فرزندوں اور علی علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کو اپنے ساتھ لائے تھے۔

ایک تو یہ کہ علماء و محققین، جیسے آلوسی کی روح المعانی میبداہانی کے مطابق، یہ حدیث جمہور علماء کی روایت کے خلاف ہے، اس لئے قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کی سند میں چند ایسے افراد ہیں جن پر جھوٹے ہونے کا الزام ہے، جیسے: سعید بن عنبسہ رازی، کہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال 18 میں یحییٰ بن معین کے حوالے سے کہا ہے کہ: ”وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے“ اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ: ”وہ سچ نہیں بولتا ہے۔“ اس کے علاوہ اس کی سند میں یثیم بن عدی ہے کہ جس کے بارے میں ذہبی کا سیر اعلام النبلاء 19 میں کہنا ہے: ابن معین اور ابن داؤد نے کہا ہے: ”وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے“ اس کے علاوہ نسائی اور دوسروں نے اسے متروک الحدیث جانا ہے۔

افسوس ہے کہ مذکورہ جعلی حدیث کا جھوٹا مضمون حضرت امام صادق اور حضرت امام باقر (علیہما السلام) سے منسوب کر کے نقل کیا گیا ہے!

چھوٹا محور علی (ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں

گزشتہ بحثوں میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ”انفسنا“ سے مراد کا خود پیغمبر اکرم (ص) نہیں ہو سکتے ہیں اور چونکہ مذکورہ احادیث کی بناء پر مباہلہ میں شا مل ہونے والے افراد میں صرف علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام تھے، لہذا آیہ شریفہ میں ”انفسنا“ کا مصداق علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی واضح بلکہ برترین فضیلتوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کی اس تعبیر میں، علی علیہ السلام، نفس پیغمبر (ص) کے عنوان سے پہنچنا ئے گئے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کا صرف ایک نفس ہوتا ہے، اس لئے حضرت علی علیہ السلام کا حقیقت میں نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بے معنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق، اطلاق حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مانند اور مماثلت ہے۔ چونکہ یہاں پر یہ مماثلت مطلق ہے اس لئے اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ جو بھی خصوصیت اور منصبی کمال پیغمبر اکرم (ص) کی ذات میں موجود ہے وہ حضرت علی علیہ السلام میں بھی پائے جانا چاہئے، مگر یہ کہ دلیل کی بناء پر کوئی فضیلت ہو، جیسے آپ پیغمبر نہیں ہیں۔ رسالت و پیغمبری کے علاوہ دوسری خصوصیات اور کمالات میں آپ رسول کے ساتھ شریک ہیں، من جملہ پیغمبر (ص) کی امت کے لئے قیادت و زعامت اور آنحضرت (ص) کی سارے جہاں، یہاں تک گزشتہ انبیاء پر افضلیت۔ اس بناء پر آیہ شریفہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کر نے کے علاوہ بعد از پیغمبر ان کی امت کے علاوہ تمام دوسرے انبیاء سے بھی افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

آیت کے استدلال میں فخر رازی کا بیان فخر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

”شہری میں ایک شیعہ اثنا عشری شخص معلم تھا اس کا خیال تھا کہ حضرت علی (علیہ السلام) حضرت محمد مصطفیٰ (ص) کے علاوہ تمام انبیاء (علیہم السلام) سے افضل و برتر ہیں، اور یوں کہتا تھا: جو چیز اس مطلب پر دلالت کرتی ہے، وہ آیہ مباہلہ میں خداوند متعال کا یہ قول ہے کیونکہ ”اَنْفُسَنَا“ سے مراد پیغمبر اکرم (ص) نہیں ہیں، کیونکہ انسان خود کو نہیں پکارتا ہے۔ اس بناء پر نفس سے مراد آنحضرت (ص) کے علاوہ ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ نفس سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں لہذا آیہ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) سے مراد درحقیقت نفس پیغمبر (ص) ہے، اس لئے ناچار آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس علی نفس رسول کے مانند ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ

۱۔ یہ بزرگ مرد، کہ جس کے بارے میں فخر رازی نے یوں بیان کیا ہے، جیسے کہ اس کی زندگی کے حالات کی تشریح کتابوں میں کی گئی ہے، شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور عظیم عقیدہ شناس اور فخر رازی کے استاد تھے۔ مرحوم محدث قمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ سدید الدین محمود بن علی بن الحسن حمصی رازی، علامہ فاضل، متکلم اور علم کلام میں کتاب ”التعلیق العراقی“ کے مصنف تھے۔ شیخ بہائی سے ایک تحریر کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ وہ شیعہ علماء و مجتہدین میں سے تھے اورری کے حمص نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، کہ اس وقت وہ گاؤں یوران ہو چکا ہے۔ (سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۲۰، انتشارات کتاب خانہ محمودی) مرحوم سید محسن امین جبل عاملی کتاب ”التعلیق العراقی، یا کتاب المنقذ من التقليد“ کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لکھا گیا تھا: ”انہا من إملأ مولانا الشیخ الکبیر العالم سدید الدین حجة الاسلام والمسلمین لسان الطائفة والمتکلمین اسد المناظرین محمود بن علی بن الحسن الحمصی ادام الله فی العزیزقائه وکبت فی الدلّ حسدته واعداه۔“ یعنی: یہ نسخہ استاد بزرگ اور دانشور سدید الدین حجة الاسلام والمسلمین، مذهب شیعہ کے تر جمان اور متکلمین، فن مناظرہ کے ماہر محمود بن علی بن الحسن الحمصی کا املا ہے کہ خدائے متعال اس کی عزت کو پائدار بنادے اور اس کے حاسدوں اور دشمنوں کو نابود کر دے۔ (اعیاء الشیعہ، ج ۱، ص ۱۵۵، دارالتعارف للمطبوعات، بیروت)

فیروز آبادی کتاب ”القاموس المحيط“ میں کہتا ہے: ”محمود بن الحمصی متکلم اخذ عنہ الامام فخر

الدین“ (القاموس المحيط، ج ۲، ص ۲۹۹، دار المعرفة، بیروت)

فیروز آبادی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم عقیدہ شناس فخر رازی کا استاد تھا لیکن فخر رازی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ نفس تمام جہت سے اس نفس کے برابر ہے۔ اور اس کلیت سے صرف دو چیزیں خارج ہیں: ایک نبوت اور دوسرے افضلیت، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پیغمبر (ص) سے افضل ہیں۔ ان دو مطالب کے علاوہ، دوسرے تمام امور و مسائل میں یہ اطلاق اپنی جگہ باقی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے الہی سے افضل ہیں، لہذا علی (علیہ السلام) بھی ان سب سے افضل ہوں گے۔“ مزید اس نے کہا ہے:

”اس استدلال کی ایک ایسی حدیث سے تائید ہوتی ہے، جس کو موافق و مخالف سب قبول کرتے ہیں اور وہ حدیث وہ قول پیغمبر اکرم (ص) ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا: جو آدم (علیہ السلام) کو ان کے علم میں، نوح (علیہ السلام) کو ان کی اطاعت میں اور ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی خُلت میں، موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی ہیبت

میں اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی صفوت میں دیکھنا چاہے تو اسے علی بن ابیطالب (علیہ السلام) پر نظر ڈالنا چاہئے۔“

فخر رازی نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھا ہے:

”شیعہ علماء مذکورہ آئیہ شریفہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی (علیہ السلام) تمام اصحاب سے افضل ہیں۔ کیونکہ جب آیت دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) نفس رسول (ص) کے مانند ہے، سواء اس کے جو چیز دلیل سے خارج ہے اور نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اصحاب سے افضل ہے، لہذا نفس علی (علیہ السلام) بھی تمام اصحاب سے افضل قرار پائیگا“

فخر رازی نے اس استدلال کے ایک جملہ پر اعتراض کیا ہے کہ ہم اس آئیہ شریفہ سے مربوط سوالات کے ضمن میں آئندہ اس کا جواب دیں گے۔

علی (ع) کو نفس رسول جاننے والی احادیث

حضرت علی علیہ السلام کو نفس رسول (ص) کے طور پر معرفی کرنے والی احادیث کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا گروہ:

وہ حدیثیں جو آئیہ مباہلہ کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں:

ان احادیث کا ایک پہلو خامس آل عبا علیہم السلام کے مباہلہ میں شرکت سے مربوط تھا کہ جس کو پہلے بیان کیا گیا ہے اور یہاں خلاصہ کے طور پر ہم پیش کرتے ہیں:

الف: ابن عباس آئیہ شریفہ کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”وعلی نفسہ““ علی (ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں۔“ یہ ذکر آئیہ مباہلہ میں آیا ہے۔ 20

ب: شعبی، اہل بیت، علیہم السلام کے بارے میں جابر بن عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”ابناء نا“ سے حسن و حسین (علیہم السلام) ”نساء نا“ سے جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور ”انفسنا“ سے علی بن ابیطالب (علیہ السلام) مراد ہیں۔ 21

ج: حاکم نیشابوری، عبد اللہ بن عباس اور دیگر اصحاب سے، پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ مباہلہ میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لانے والی روایت کو متواتر جانتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ ”ابناء نا“ سے حسن و حسین علیہم السلام، ”نساء نا“ سے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور ”انفسنا“ سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں۔ 22

د۔ حضرت علی علیہ السلام کی وہ حدیث، جس میں آپ (ع) اصحاب شوریٰ کو قسم دے کر اپنے فضائل کا ان سے اقرار لیا ہے آپ فرماتے ہیں:

”نشدتکم اللہ هل فیکم احد اقرب إلیر سول اللہ (ص) فی الرحم ومن جعلہ رسول اللہ نفسہ وإبناء ہ ... غیر؟“

23

”یعنی: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں! کیا تم لوگوں میں قرابت اور رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ (ص) کے قریب ہو؟ کوئی ہے جسے آنحضرت (ص) نے اپنا نفس اور اس کے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیا ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔“

دوسرا گروہ: وہ حدیثیں جو قبیلہ بنی ولیعہ سے مربوط ہیں: یہ احادیث اصحاب کے ایک گروہ جیسے ابوذر، جابر بن

عبداللہ اور عبداللہ بن حنطب سے نقل ہوئی ہیں۔ ان حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے ابوذر کے بقول فرمایا:

”ولینتھین بنو ولیعہ اؤلاً بعثنّ إلیہم رجلاً کنفسی یمضی فیہم اُمری فیقتل المقاتلہ ولیسبى الذریۃ۔۔۔ 24“
قبیلہ بنی ولیعہ کو اپنے امور سے باز آجانا چاہئے، اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو میں ان کی طرف اپنے مانند ایک شخص کو بھیجوں گا جو میرے حکم کو ان میں جاری کرے گا۔ جنگ کرنے والوں کو وہ قتل کرے گا اور ان کی ذریت کو اسیر بنائے گا۔

عمر، جو میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا: آنحضرت (ص) کا اس سے مراد کون ہے؟ میں نے جواب دیا تم اور تمہارا دوست (ابوبکر) اس سے مراد نہیں ہے تو اس نے

اس کے محقق نے اس ضمن میں کہا ہے: اس حدیث کی سند میں موثق راوی موجود ہیں۔

المنصف لأبن أبی شیبہ، ج 1، ص 342، دارالتاج، المعجم الأوسط للطبرانی، ج 4، ص 244، مکتبۃ المعارف، الرياضیہ۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ”المعجم الاوسط“ میں عمداً یا غلطی سے ”کنفسی“ کے بجائے ”لنفسی“ آیا ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی سے ”کنفسی“ روایت کی ہے۔ مجمع الزوائد۔ مجمع الزوائد ہیثمی، ج 4، ص 110، دارالکتب العربی و ص 240، دارالفکر۔

کہا کون مراد ہے؟ میں نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اس وقت اپنی جوتیوں کو پیوند لگانے میں مصروف ہے۔ کہا تو پھر علی (علیہ السلام) ہیں جو اپنی جوتیوں کو ٹانگے میں مصروف ہیں۔ تیسرا گروہ: وہ حدیثیں جو پیغمبر (ص) کے نزدیک محبوب ترین افراد کے بارے میں ہیں۔

بعض ایسی حدیثیں ہیں کہ جس میں پیغمبر اکرم صل (ص) سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ جواب کے بعد آنحضرت (ص) سے علی (علیہ السلام) کی محبوبیت یا افضلیت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم (ص) اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ”إِنَّ ہذا یسألنی من النفسی“ یعنی: یہ سوال مجھ سے خود میرے بارے میں ہے! یعنی علی (علیہ السلام) میرا نفس ہے۔ 25 ان میں سے بعض احادیث میں، حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) پیغمبر اسلام (ص) سے سوال کرتی ہیں، کیا آپ نے علی (علیہ السلام) کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

”علیّ نفسی فمن رأیہ اُن یقول فی نفسہ شیئاً 26“

یعنی: علی (علیہ السلام) میرا نفس ہے تم نے کس کو دیکھا ہے، جو اپنے نفس کے بارے میں کچھ کہے؟ یہ احادیث عمرو عاص، عائشہ اور جد عمرو بن شعیب جیسے بعض اصحاب سے نقل ہوئی ہیں۔

اس طرح کی حدیثیں مختلف زبانوں سے روایت ہوئی ہیں اور ان کی تعداد زیادہ ہے۔ جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام، نفس پیغمبر (ص) ہیں اور آبیہ شریفہ کی دلالت پر تاکید کرتی ہے، سواء اس کے کہ کوئی قطعی ضرورت اور خارجی دلالت کی وجہ سے اس اطلاق سے خارج ہوا جائے جیسے نبوت جو اس سے خارج ہے (لہذا آنحضرت (ص) کے

دوسرے تمام عہدے من جملہ تمام امت اسلامیہ پر آپ (ص) کی فضیلت نیز قیادت و زعامت اس اطلاق میں داخل ہے۔

پانچواں محور آیت کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

آلوسی سے ایک گفتگو:

آلوسی، اپنی تفسیر ”روح المعانی“ 27 میں اس آیہ شریفہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتا ہے: ”اہل بیت پیغمبر (ص) کے آل اللہ ہونے کی فضیلت کے بارے میں اس آیہ شریفہ کی دلالت کسی بھی مومن کے لئے ناقابل انکار ہے اور اگر کوئی اس فضیلت کو ان سے جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ ایک قسم کی ناصبیت و عناد ہے اور عناد و ناصبیت ایمان کے نابود کرنے کا سبب ہے۔“

شیعوں کا استدلال

اس کے بعد (آلوسی) آیہ مذکورہ سے رسول خدا (ص) کے بعد علی علیہ السلام کے بلا فصل خلیفہ ہونے کے سلسلہ میں شیعوں کے استدلال کو بیان کرتا ہے اور اس روایت سے استناد کرتا ہے کہ آیہ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام (ص) مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ، اور حسنین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لائے، اس کے بعد کہتا ہے: ”اس طرح سے ”اُبناء نا“ کا مراد سے حسن و حسین (علیہما السلام)، ”نساء نا“ سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور ”اُنفسا نا“ سے مراد علی (علیہ السلام) ہیں۔ جب علی (علیہ السلام) نفس رسول قرار پائیں گے تو اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال محال ہو گا کیونکہ حقیقت میں علی علیہ السلام خود رسول اللہ (ص) نہیں ہو سکتے ہیں) لہذا قہراً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت (ص) کے مساوی اور مماثل ہیں۔ چونکہ پیغمبر اسلام (ص) امور مسلمین میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں افضل اور اولیٰ ہیں، لہذا جو بھی ان کے مماثل ہو گا وہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ اس طرح سے پوری امت کے حوالے سے حضرت علی (علیہ السلام) کی افضلیت اور امت پر ان کی سرپرستی اس آیہ شریفہ سے ثابت ہوتی ہے۔“

شیعوں کے استدلال کے سلسلہ میں الوسی کا پہلا اعتراض

اس کے بعد آلوسی شیعوں کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے: شیعوں کے اس قسم کے استدلال کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے:

ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ”اُنفسا نا“ سے مراد حضرت امیر المؤمنین (علیہ السلام) ہوں گے، بلکہ نفس سے مراد خود پیغمبر (ص) ہی ہیں اور حضرت امیر (علیہ السلام) ”اُبنائنا“ میں داخل ہیں کیونکہ داماد کو عرفاً بیٹا کہتے ہیں۔

اس کے بعد شیعوں کے ایک عظیم مفسر شیخ طبرسی کا بیان نقل کرتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ”اُنفسا نا“ سے مراد خود پیغمبر (ص) نہیں ہو سکتے ہیں، کیونکہ انسان کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں بلاتا ہے، اس نے (شیخ کی) اس بات کو ہڈیان سے نسبت دی ہے؟!

اس اعتراض کا جواب

آلوسی اپنی بات کی ابتداء میں اس چیز کو تسلیم کرتا ہے کہ آیہ کریمہ پیغمبر (ص) کے خاندان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس فضیلت سے انکار کو ایک طرح کے بغض و عناد سے تعبیر کرتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ

اس عظیم فضیلت کو آنحضرت (ص) کے خاندان سے منحرف کرنے کے لئے کس طرح وہ خودکوشش کرتا ہے اور اپنے اس عمل سے اس سلسلہ میں بیان کی گئی تمام احادیث کی مخالفت کرتا ہے اور جس چیز کو ابن تیمیہ نے بھی انجام نہیں دیا ہے یعنی "انفسنا" کے علی علیہ السلام پر انطباق سے انکار کرنا اسے انجام دیتا ہے۔ اگرچہ ہم نے بحث کی ابتداء میں "انفسنا" کے بارے میں اور یہ کہ اس سے مراد خود پیغمبر اسلام (ص) نہیں ہو سکتے ہیں، بیان کیا ہے، لیکن یہاں پر بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر "انفسنا" سے مراد خود پیغمبر اسلام (ص) ہوں اور علی علیہ السلام کو "ابناء نا" کے زمرے میں داخل کر لیا جائے تو یہ غلط ہے اور دوسرے یہ کہ خلاف دلیل ہے۔ اس کا غلط ہونا اس لحاظ سے ہے کہ آیہ شریفہ میں "بلانا اپنے" حقیقی معنی میں ہے۔ اور جو آلوسی نے بعض استعمالات جیسے "دعتہ نفسہ" کورائج و مرسوم جا نا ہے، اس نے اس نکتہ سے غفلت کی ہے کہ اس قسم کے استعمالات مجازی ہیں اور ان کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آیہ مذکورہ میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے، بلکہ یہاں پر "دعتہ نفسہ" کے معنی اپنے آپ کو مجبور اور مصمم کرنا ہے نہ اپنے آپ کو بلانا اور طلب کرنا۔ اس کے علاوہ "ابنائنا" کے زمرے میں امیر المؤمنین (علیہ السلام) کو شامل کرنا صرف اس لئے کہ وہ آنحضرت (ص) کے داماد تھے گویا لفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں ہے اور لفظ کو اس کے معانی مجازی میں بغیر قرینہ کے حمل کرنا ہے۔

اس لئے "ابناء نا" کا حمل حسنین علیہما السلام کے علاوہ کسی اور ذات پر درست نہیں ہے اور "انفسنا" کا لفظ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہو تا ہے۔ اگر کہا جائے کہ: کونسا مرجح ہے کہ لفظ "ندع" کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہو اور "انفسنا" کا استعمال حضرت علی علیہ السلام پر مجازی ہو؟ بلکہ ممکن ہے کہا جائے "انفسنا" خود انسان اور اس کی ذات پر اطلاق ہو جو حقیقی معنی ہے اور "ندع" کے معنی میں تصرف کر کے "نحضر" کے معنی لئے جائیے یعنی اپنے آپ کو حاضر کریں۔ جواب یہ ہے کہ: اگر "ندع" کا استعمال اپنے حقیقی معنی ہے تو تو ایک سے زیادہ مجاز درکار نہیں ہے اور وہ ہے "انفسنا" کا حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہو نا لیکن اگر "ندع" کو اس کے مجازی معنی پر حمل کریں تو اس سے دوسرے کا مجاز ہونا بھی لازم آتا ہے یعنی علی علیہ السلام کا "ابناء نا" پر اطلاق ہونا، جو آنحضرت صلی (ص) کے داماد ہیں اور اس قسم کے مجاز کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ لفظ "انفسنا" کے علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونے کا قرینہ "ندع" و "انفسنا" کے درمیان پائی جانے والی مغایرت ہے کہ جو عقلاً و عرفاً ظہور رکھتی ہے۔ اس فرض میں "ندع" بھی اپنے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "ابناء نا" بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لیکن یہ کہ آلوسی کی بات دلیل کے خلاف ہے، کیونکہ اتنی سا ری احادیث جو نقل کی گئی ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ "انفسنا" سے مراد علی علیہ السلام ہیں اور یہ دعویٰ تواتر کے ذریعہ بھی ثابت ہے 28 لہذا وہ سب احادیث اس قول کے خلاف ہیں۔

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا اعتراض

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا دوسرا جواب یہ ہے: اگر فرض کریں کہ "انفسنا" کا مقصد علی (علیہ السلام) ہوں، پھر بھی آیہ شریفہ حضرت علی (ع) کی بلا فصل خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ "انفسنا" کا اطلاق حضرت علی (ع) پر اس لحاظ سے ہے کہ نفس کے معنی قربت اور نزدیک ہونے کے ہیں اور دین و آئین میں شریک ہونے کے معنی میں ہے اور اس لفظ کا اطلاق حضرت علی (ع) کے لئے شاید اس وجہ سے ہوا کہ پیغمبر

(ص) کے ساتھ دامادی کارشتہ تھا اور دین میں دونوں کا اتحاد تھا۔ اس کے علاوہ اگر مقصود وہ شخص ہو جو پیغمبر اکرم

(ص) کے مساوی ہے تو کیا مساوی ہونے کا معنی تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں؟ اگر تمام صفات میں مساوی ہونا مقصود ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر (ص) کی نبوت اور خاتمیت اور تمام امت پر آپکی بعثت میں شریک ہیں اور اس قسم کا مساوی ہونا متفقہ طور پر باطل ہے۔ اور اگر مساوی ہونے کا مقصد بعض صفات میں ہے یہ شیعوں کی افضلیت و بلا فصل امامت کے مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب

آلوسی کے اس اعتراض و استدلال کا جواب دینا چند جہتوں سے ممکن ہے:

سب سے پہلے تو یہ کہ: ”نفس کے معنی قربت و نزدیکی“ اور دین و آئین میں شریک ہونا کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے، جبکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے ایک حدیث کے مطابق سعد بن ابی وقاص نے معاویہ کے سامنے اسی معنی کو بیان کیا اور اسے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سب و شتم سے انکار کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: نفس کے معنی کا اطلاق دین و آئین میں شریک ہونا یا رشتہ داری و قرابتداری کے معنی مجازی ہے اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں پر ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ: جب نفس کے معنی کا اطلاق اس کے حقیقی معنی میں ممکن نہ ہو تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہو اور یہ جا نشینی اور مساوی ہو نا مطلقاً ہے اور اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف اور عہدے شامل ہیں، صرف نبوت قطعی دلیل کی بناء پر اس دائرہ سے خارج ہے۔

چوتھے یہ کہ: اس صورت میں آلوسی کی بعد والی گفتگو کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ مساوات تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں، کیونکہ مساوات تمام صفات میں اس کے اطلاق کی وجہ سے ہے، صرف وہ چیزیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کو قطعی دلیلوں کے ذریعہ خارج و مستثنیٰ کیا گیا ہے جیسے نبوت و رسالت۔ لہذا پیغمبر اکرم (ص) کی افضلیت اور امت کی سر پرستی نیز اسی طرح کے اور تمام صفات میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے شریک نیز ان کے برابر کے جا نشین ہیں۔

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا تیسرا اعتراض

آلوسی کا کہنا ہے: اگر یہ آیت حضرت علی (علیہ السلام) کی خلافت پر کسی اعتبار سے دلالت کرتی بھی ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ: حضرت علی (ع) پیغمبر (ص) کے زمانہ میں امام ہوں اور یہ متفقہ طور پر باطل ہے۔ یہی اگر یہ خلافت کسی خاص وقت کے لئے ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ اس قید کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور

دوسرے یہ کہ اہل سنت بھی اسے قبول کرتے ہیں یعنی حضرت علی (ع) ایک خاص وقت، میں کہ جوان کی خلافت کا زمانہ تھا، اس میں وہ اس منصب پر فائز تھے۔

اس اعتراض کا جواب

سب سے پہلی بات یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی آنحضرت صل (ص) کے زمانہ میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے لئے واضح ترین حدیث، حدیث منزلت ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر (ص) کی نسبت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، واضح رہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے جانشین تھے کیوں کہ قرآن مجید حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا ”أخلفنی فی قومی“ 29 ”تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔“ اس بناء پر جب کبھی پیغمبر اکرم (ص) حاضر نہیں ہوتے تھے حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوتے تھے (چنانچہ جنگ تبوک میں ایسا ہی تھا) اس مسئلہ کی حدیث منزلت میں مکمل وضاحت کی گئی ہے۔ 30

دوسرے یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کا نفس پیغمبر (ص) قرار دیا جانا جیسا کہ آیہ شریفہ مباہلہ سے یہ مطلب واضح ہے، اور اگر کوئی اجماع واقع ہو جائے کہ آنحضرت کی زندگی میں حضرت علی علیہ السلام آپ کے جانشین نہیں تھے، تو یہ اجماع اس اطلاق کو آنحضرت (ص) کی زندگی میں مقید و محدود کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ اطلاق آنحضرت (ص) کی رحلت کے وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔ لہذا یہ واضح ہو گیا کہ آلوسی کے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں اور آیہ شریفہ کی دلالت حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلا فصل خلافت پر بلا منہ قشہ ہے۔

فخر رازی کا اعتراض:

فخر رازی نے اس آیہ شریفہ کے ذیل میں محمود بن حسن حصبی 31 کے استدلال کو، کہ جو انہوں نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، نقل کرنے کے بعد (ان کے استدلال کو تفصیل سے ذکر کیا ہے) اپنے اعتراض کو یوں ذکر کیا ہے:

ایک تو یہ کہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ پیغمبر (ص) غیر پیغمبر سے افضل ہوتا ہے۔

دوسرے: اس بات پر بھی اجماع ہے کہ (علی علیہ السلام) پیغمبر نہیں تھے۔ مذکورہ ان دو مقدمات کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہ شریفہ حضرت علی (علیہ السلام) کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کو ثابت نہیں کرتی ہے۔

فخر رازی کے اعتراض کا جواب ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ اس پر اجماع ہے کہ ہر ”نبی غیر نبی سے افضل ہے“ اس میں عمومیت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت کریں کہ، ہر نبی دوسرے تمام افراد پر حتیٰ اپنی امت کے علاوہ دیگر افراد پر بھی فوقیت و برتری رکھتا ہے بلکہ جو چیز قابل یقین ہے وہ یہ کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ کہاجائے: ”مرد عورت سے افضل ہے“ اور یہ اس میں معنی ہے کہ مردوں کی صنف عورتوں کی صنف سے افضل

ہے نہ یہ کہ مردوں میں سے ہر شخص تمام عورتوں پر فضیلت و برتری رکھتا ہے۔ اس بناء پر اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ: مذکورہ مطلب پر اجماع کا واقع ہونا ثابت نہیں ہے، کیونکہ شیعہ علماء نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے اور وہ اپنے ائمہ معصومین (علیہم السلام) کو قطعی دلیل کی بناء پر گزشتہ انبیاء سے برتر جانتے ہیں۔ ابو حیان اندلسی نے تفسیر ”البحر المحیط“ 32 میں شیعوں کے استدلال پر آیت میں نفس سے مراد تمام صفات میں ہم مثل اور مساوی ہو نا ہے (فخر رازی 33 کا ایک اور اعتراض نقل کیا ہے جس میں یہ کہا ہے:

”نفس کے اطلاق میں یہ ضروری نہیں ہے تمام اوصاف میبیکسانیت و یکجہتی

ہو، چنانچہ متکلمین نے کہا ہے: ”صفات نفس میں یک جہتی اور یک سوئی یہ متکلمین کی ایک اصطلاح

ہے، اور عربی لغت میبیکسانیت کا بعض صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: ”ہذا من

انفسنا“ یعنی: یہ ”اپنوں میں سے ہے، یعنی ہمارے قبیلہ میں سے ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صفات یا بعض صفات میں یکسانیت و یکجہتی یہ نہ تو لغوی بحث ہے اور نہ ہی

کلامی، بلکہ یہ بحث اصول فقہ سے مربوط ہے، کیونکہ جب نفس کا اس کے حقیقی معنی میں استعمال نا

ممکن ہو تو اسے اس کے مجازی معنی پر عمل کرنا چاہئے اور اس کے حقیقی معنی سے نزدیک ترین معنی کہ

جس کو اقرب المجازات سے تعبیر کیا جاتا ہے (کو اخذ کرنا چاہئے اور ”نفس“ کے حقیقی معنی میں اقرب

المجازات مانندو مثل ہونا ہے۔

یہ مانندو مثل ہونا مطلق ہے اور اس کی کوئی محدودیت نہیں ہے اور اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ علی علیہ السلام

تمام صفات میں پیغمبرا کریم (ص) کے مانندو مثل ہیں، صرف نبوت و رسالت جیسے مسائل قطعی دلائل کی

بنیاد پر اس مانندو مثل کے دائرے سے خارج ہیں۔ اس وضاحت کے پیش نظر تمام اوصاف اور عہدے اس اطلاق میں

داخل ہیں لہذا من جملہ تمام انبیاء پر فضیلت اور تمام امت پر سرپرستی کے حوالے سے آپ (علیہ السلام) علی

الاطلاق رسول (ص) کے مانندو ہیں۔

ابن تیمیہ کا اعتراض

ابن تیمیہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر علامہ حلی کے استدلال کو آیہ مباہلہ سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

”یہ کہ پیغمبرا کریم (ص) مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم

السلام) کو اپنے ساتھ لے گئے یہ صحیح حدیث میں آیا ہے 34، لیکن یہ علی (علیہ السلام) کی امامت اور ان کی

افضلیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ دلالت اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب آیہ شریفہ علی (علیہ

السلام) کے پیغمبر (ص) کے مساوی ہونے پر دلالت کرے حالانکہ آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ کوئی

بھی شخص پیغمبر (ص) کے مساوی نہیں ہے، نہ علی (علیہ السلام) اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور۔

دوسرے یہ کہ ”انفسنا“ کا لفظ عربی لغت میں مساوات کا معنی میں نہیں آیا ہے 35 اور صرف ہم جنس اور

مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض امور مشابہت، جیسے ایمان یا دین میں اشتراک کافی ہے

اور اگر نسب میں بھی اشتراک ہو تو اور اچھا ہے۔ اس بنیاد پر آیہ شریفہ میں ”انفسنا“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین

اور نسب میں دوسروں سے زیادہ نزدیک ہوں۔ اس لحاظ سے آنحضرت (ص)۔ بیٹوں میں سے حسن

وحسین) علیہما السلام) اور عورتوں میں سے فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) اور مردوں میں سے علی (علیہ السلام) کو اپنے ساتھ لے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ان سے زیادہ نزدیک ترکوئی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ مباہلہ اقرباء سے انجام پاتا ہے نہ ان افراد سے جو انسان سے دور ہوں، اگرچہ یہ دور والے افراد خدا کے نزدیک افضل و برتر ہوں۔

ابن تیمیہ کہ جس نے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک ہونے کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف پیغمبر (ص) کے چچا حضرت عباس کہ جو رشتہ داری کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ قریب تھے اور زندہ تھے۔ کے بارے میں کہتا ہے:

”عباس اگرچہ زندہ تھے، لیکن سابقین اولین) دعوت اسلام کو پہلے قبول کر نے والے) میں ان کا شمار نہیں تھا اور پیغمبر اکرم (ص) کے چچیرے بھائیوں میں بھی کوئی شخص علی (علیہ السلام) سے زیادہ آپ سے نزدیک نہیں تھا۔ اس بنا پر مباہلہ کے لئے علی (علیہ السلام) کی جگہ پر کر نے والا پیغمبر (ص) کے خاندان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کو آپ انتخاب کرتے یہ مطلب کسی بھی جہت سے علی (علیہ السلام) کے آنحضرت (ص) سے مساوی ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے۔“

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب ابن تیمیہ کا جواب چند نکاتوں میں دیا جاسکتا ہے:

۱۔ اس کا کہنا ہے: ”پیغمبر (ص) کے مساوی و مانند کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔“ اگر مساوی ہونے کا مفہوم و مقصد تمام صفات، من جملہ نبوت و رسالت میں ہے تو یہ صحیح ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان ہوا مساوی ہونے کا اطلاق پیغمبر (ص) کی ختم نبوت پر قطعی دلیلوں کی وجہ سے مقید ہے اور اس کے علاوہ دوسرے تمام امور میں پیغمبر کے مانند و مساوی ہونا مکمل طور پر اپنی جگہ باقی ہے اور اس کے اطلاق کو ثابت کرتا ہے دوسری طرف سے اس کی یہ بات کہ ”انفسنا“ کا لفظ عربی لغت میں مساوات کے معنی کا اقتضاء نہیں کرتا ہے ”صحیح نہیں ہے اگرچہ اس نے قرآن مجید کی چند ایسی آیتوں کو بھی شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے جن میں ”انفسہم یا انفسکم“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، حتیٰ کہ ان آیتوں میں بھی مساوی مراد ہے۔ مثلاً لفظ ”ولا تلمزوا انفسکم“ یعنی ”اپنی عیب جوئی نہ کرو“ جب لفظ ”انفس“ کا اطلاق دوسرے افراد پر ہوتا ہے، تو معنی نہیں رکھتا ہے وہ حقیقت میں خود عین انسان ہوں۔ ناچار ان کے مساوی اور مشابہ ہونے کا مقصد مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت میں ہے اور معلوم ہے کہ وہ جہت اس طرح کے استعمالات میں کسی ایمانی مجموعہ یا قبیلہ کے مجموعہ کا ایک جزو ہے۔ اس بناء پر ان اطلاقات میں بھی مساوی ہونے کا لحاظ ہوا ہے، لیکن اس میں قرینہ موجود ہے کہ یہ مساوی ایک خاص امر میں ہے اور یہ اس سے منافات نہیں رکھتا ہے اور اگر کسی جگہ پر قرینہ نہیں ہے تو مساوی ہونے کا قصد مطلق ہے، بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اسے خارج کرے۔

۲۔ ابن تیمیہ نے قرابت یا رشتہ داری کو نسب سے مر تبط جانا ہے، یہ بات دو دلیلوں سے صحیح نہیں ہے:

سب سے پہلے بات تو یہ، مطلب آیہ شریفہ ”نسائنا ونسا ئکم“ سے سازگار نہیں ہے، کیونکہ ”نسائنا“ کا عنوان

نسبی رشتہ سے کوئی ربطہ نہیں رکھتا ہے۔ البتہ یہ منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

آنحضرت (ص) کی دختر گرامی تھیں اور آپ سے نسبی قرابت رکھتی تھیں، کیونکہ واضح ہے کہ آنحضرت (ص) سے

”بنا تنا“ ”ہماری“ (جو نسبی قرابت کی دلیل ہے) کے ذریعہ تعبیر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ”نساء نا“ کی تعبیر آئی

ہے، اس لحاظ سے چونکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس خاندان کی عورتوں میں سے ہیں اس لئے اس

مجموعہ میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور عورت کہ جو اس لائق ہو کہ مباہلہ میں شریک ہو سکے وجود نہیں رکھتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اگر معیار قرابت نسبی اور رشتہ داری ہے تو آنحضرت (ص) کے چچا حضرت عباس (ع) اس جہت سے آنحضرت (ص) سے زیادہ نزدیک تھے لیکن اس زمرے میں انہیں شریک نہیں کیا گیا ہے! جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے قرابت، یعنی نزدیک ہونے سے مراد پیغمبر اکرم (ص) سے معنوی قرابت ہے۔ جس کا ابن تیمیہ نے مجبور ہو کر اعتراف کیا ہے اور کہتا ہے:

”علی (علیہ السلام) سابقین اور اولین میں سے تھے، اس لحاظ سے دوسروں کی نسبت آنحضرت (ص) سے زیادہ نزدیک تھے۔“

احادیث کی رو سے مباہلہ میں شامل ہو نے والے افراد پیغمبر اسلام (ص) کے خاص رشتہ دار تھے کہ حدیث میں انہیں اہل بیت رسول علیہم السلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان میں سے ہر ایک اہل بیت پیغمبر (علیہم السلام) ہونے کے علاوہ ایک خاص عنوان کا مالک ہے، یعنی ان میں سے بعض ”اُبنائنا“ کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض ”نسائنا“ کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض دوسرے ”اُنفسنا“ کے عنوان میں شامل ہیں۔

مذکورہ وضاحت کے پیش نظریہ واضح ہو گیا کہ ”اُنفسنا“ کے اطلاق سے نسبی رشتہ داری کا تبادلہ وانصراف نہیں ہوتا ہے اور علی علیہ السلام کا پیغمبر خدا (ص) کے مانند مساوی ہو ناتمام صفات، خصوصیات اور عہدوں سے متعلق ہے، مگر یہ کہ کوئی چیز دلیل کی بنیاد پر اس سے خارج ہوئی ہو۔

اہل بیت علیہم السلام کے مباہلہ میں حاضر ہو نے کا مقصد واضح ہو گیا کہ مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد کی دعا رسول خدا (ص) کی دعا کے برابر تھی اور ان افراد کی دعاؤں کا بھی وہی اثر تھا جو آنحضرت (ص) کی دعا کا تھا اور یہ اس مقدس خاندان کے لئے ایک بلند و برتر مرتبہ و مقام ہے۔

۱۔ تفسیر الکشاف، ج ۱، ص ۳۷۰، دارالکتب العربی، بیروت۔

۲۔ روح المعانی، ج ۳، ص ۱۸۹، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت۔

۳۔ اس کے نظریہ پر اعتراضات کے حصہ میں تنقید کریں گے۔

۴۔ التفسیر الکبیر، فخر رازی، ج ۸، ص ۸۰، دارالاحیاء التراث العربی۔

۵۔ تفسیر کبیر فخر رازی، ج ۸، ص ۸، دارالاحیاء التراث العربی۔

۶۔ شائد مقصود یہ ہو کہ ”خداوند! تیرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک بھی محبوب ترین مخلوق علی (علیہ السلام) ہیں۔“

۷۔ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۲۲، ص ۴۳۱، دارالفکر

۸۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۹۔ احکام القرآن / جصاص / ج ۲ / ص ۱۲ دارالکتب العربی بیروت، اختصاص مفید / ص ۵۶ / من منشورات جماعة المدرسين فی الحوزة العلمیة،

اسباب النزول / ص ۶۸ / دارالکتب العلمیہ بیروت، اسد الغابۃ / ج ۲ / ص ۲۵ / دارالاحیاء التراث العربی بیروت الاصابہ / ج ۲ / جزء ۲ / ص ۲۷۱،

البحر المحیط / ج ۳ / ص ۲۷۹ / دارالاحیاء التراث العربی بیروت، البدایہ و النہایہ / ج ۵ / ص ۲۹ / دارالکتب العلمیہ بیروت، البرہان /

ج ۱ / ص ۲۸۹ / مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، التاج الجامع للاصول / ج ۳ / ص ۳۳۳ / دارالاحیاء التراث العربی بیروت، تاریخ مدینہ

دمشق / ج ۲۲ / ص ۱۳۴ / دارالفکر، تذکرہ خواص الامۃ / ص ۱۷ / چاپ نجف، تفسیر ابن کثیر / ج ۱ / ص ۳۷۸ / دارالعرفۃ

- بیروت، تفسیر بیضاوی/ج ۱/ص ۱۶۳/دارالکتب العلمیہ بیروت، تفسیر خازن (الباب التأویل)/ج ۱/ص ۲۳۶/دارالفکر، تفسیر
- الرازی/ج ۸/ص ۸۰/داراحیاء التراث العربی بیروت، تفسیر السمرقندی (بحر العلوم)/ج ۱/ص ۲۷۲/دارالکتب العلمیہ بیروت، تفسیر طبری/ج ۳/ص ۳۰۱/۲۹۹/دارالفکر، تفسیر طنطاوی/ج ۲/ص ۱۳۰/دارالمعارف القاہرہ، تفسیر علی بن ابراہیم قمی/ج ۱/ص ۱۰۲، تفسیر الماوردی/ج ۱/ص ۳۸۹ و ۳۹۹/مؤسسۃ ظالکتب الثقافیۃ/دارالکتب العلمیہ بیروت، التفسیر المنیر/ج ۳/ص ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹/دارالفکر، تفسیر النسفی) در حاشیہ خازن/ج ۱/ص ۲۳۶/دارالفکر، تفسیر
10. تفسیر علی بن ابراہیم، مطبعۃ النجف، ج ۱، ص ۱۰۲، البرہان ج ۱، ص ۲۸۵
11. تفسیر البرہان، ج ۱، ص ۲۸۹، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان
12. انعام/۳۸
13. انعام/۵۸۴
14. البرہان، ج ۱، ص ۲۸۹، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان
15. الاختصاص، ص ۵۶، من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ
16. المنار، ج ۳، ص ۳۲۲، دارالمعرفۃ بیروت
17. اس سلسلہ میں بحث، آیہء تطہیر کی طرف رجوع کیا جائے۔
18. روح المعانی، ج ۳، ص ۱۹۰، داراحیاء التراث العربی
19. میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۱۵۴، دارالفکر
20. معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت
21. اسباب النزول، ص ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت
22. معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت
23. تاریخ مدینتہ دمشق، ج ۲، ص ۲۱۳، دارالفکر
24. السنن الکبیر للنسائی، ج ۵، ص ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
25. جامع الاحادیث، سیوطی، ج ۱، ص ۲۵۷-۲۵۶، دارالفکر، کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۲۳-۱۲۲، مؤسسہ الرسالہ
26. مناقب خوارزمی، ص ۱۲۸، مؤسسہ النشر الاسلامی، مقتل الحسین علیہ السلام، ص ۴۳، مکتبہ المفید۔
27. روح المعانی، ج ۳، ص ۱۸۹، داراحیاء التراث العربی
28. معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت
29. اعراف/۱۴۲
30. اس سلسلہ میں مصنف کا پمفلٹ "حدیث غدیر، ثقلین و منزلت کی روشنی میں امامت" ملاحظہ فرمائیں۔
31. شیعوں کا ایک بڑا عقیدہ شناس عالم جس کا پہلے ذکر آیا ہے۔
32. البحر المحیط، ج ۲، ص ۲۸۱، مؤسسہ التاریخ العربی، داراحیاء التراث العربی
33. اگر ابو حیان کارازی سے مقصود وہی فخر رازی ہے تو ان اعتراضات کو اس کی دوسری کتابوں سے پیدا کرنا چاہئے، کیونکہ تفسیر کبیر میں صرف وہی اعتراضات بیان کئے گئے ہیں جو ذکر ہوئے۔
34. ابن تیمیہ نے قبول کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "انفسنا" مذکورہ حدیث کے پیش نظر علی علیہ السلام پر انطباق کرتا ہے
35. ابن تیمیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مجید کی پانچ آیتوں کو بیان کیا ہے، من جملہ ان میں یہ آیتیں ہیں:
- الف۔ لولا اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهم خیراً (نور/۱۲) "آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کو سناتو مومن و مومنات اپنے بارے میں خیر کا گمان کرتے" مقصود یہ ہے کہ کیوں ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پر اچھا گمان نہیں رکھتے ہیں۔ ب۔ "ولا تلمزوا انفسکم" (حجرات/۱۱) "آپس میں ایک دوسرے کو طعن نہ دینا"